عہد صدیقی کا عسکری نظام۔ایک تجزیاتی مطالعہ

Military Organization in the Period of Abū Bakr aṣ-Ṣiddīq (رضی اللہ عنہ): An Analytical Study

*ڈاکٹر ملک عمران علی

**ڈاکٹر محمد شفیق انجم

Abstract

In Ṣiddīqī reign, there were no disciplined rules of war. The rules in the era of Prophet Muḥammad (PBUH) were maintained. In the period of ignorance, armed people gathered for battle as well as after war, they returned to their tribes. In the age of Prophethood, Companions of the Prophet Muḥammad (PBUH) did the same deed. In Ṣiddīqī period, proper order and arrangements of war was commenced. The companions used to select warriors and send them to different regions. At that time, the management of forces was of two types.

1. Zoḥf Method
2. Karūfer Method

Warrior troops were divided into five groups. Archery, battering-ram, swords, tilting as well as Dubābah were used in battles. Meadows and uniforms of forces were specified and salaries of forces were also settled.

Keywords: Abū Bakr Ṣiddīq, Military System, Means & Methods of War-

کسی بھی ملک کی حفاظت اور دفاع کے لیے عسکری قوت ناگزیر ہے۔ یہ قوت اُسے دشمنوں کے حملوں اور سازشوں سے بچاتی ہے۔ مکی دور میں مسلمانوں نے ہر قسم کے مظالم کو برداشت کیا، کیونکہ افرادی قوت کم تھی اور اُنھیں محض صبر کرنے کا حکم تھا۔ عسکری اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کے بعد اس طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ نے ابتدائی دور میں ہی مدینہ کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے حفاظتی دستے گشت پر مامور فرما دیے تھے، تاکہ نوزائیدہ ریاست کی حفاظت کی جاسکے۔ اُس دور میں اگرچہ مسلمانوں کی عسکری قوت منظم ہونا شروع ہو گئی تھی، تاہم دشمنوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہو چکا تھا۔ قریشِ مکہ کا یہود اور منافقین سے گٹھ جوڑ ہوا اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے عہد و پیماں کیے گئے۔ یہ مسلمانوں

---

* وزٹنگ لیکچرار ماڈرن سنٹر آف ایکسی لینس اِن اسلامک اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

** وزٹنگ لیکچرار ماڈرن سنٹر آف ایکسی لینس اِن اسلامک اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

کی اُبھرتی ہوئی عسکری قوت ہی تھی جس نے مدینے کے ارد گرد کے قبائل کو جارحیت سے روکا۔ بہرحال حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دورِ حکومت نبی کریم ﷺ کے عہد کی ایک کڑی تھا جس میں فوجی نظام مماثل تھا، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مختصر دور میں جب فتنوں نے سر اُٹھایا تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر آپ نے ایک منظّم و مرتب عسکری نظام تشکیل دیا جو اس دور کے حوالے سے ناگزیر تھا۔

قبل از اسلام فوجی نظام

زمانۂ جاہلیت میں صحرائی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے عربوں کے ہاں کوئی خاص فوجی نظام نہ تھا۔ جنگی ضرورت کے وقت قبیلے کے مرد حضرات اپنے وقت کے مروّجہ اسلحے: تلواریں، نیزے اور کمانیں لے کر سوار و پیادہ نکلتے۔ جنگ کے اختتام پر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آتے اور اپنے اپنے کاروبار میں مگن ہو جاتے تھے۔[1] اسلحہ اٹھانے پر قادر ہر شخص جنگ میں حصہ لیتا اور اُن کی جنگیں محض اپنے خاندان اور قبیلے کے دفاع کے لیے ہوتیں، اُمورِ حرب کا ماہر اور شجاعت و بہادری میں معروف شخص ہی سپہ سالاری کے منصب پر فائز ہوتا، عام طور پر اِس ذمہ داری کو قبیلے کا سردار ہی سرانجام دیتا تھا۔[2] الغرض زمانۂ جاہلیت میں کوئی باقاعدہ فوجی نظام نہ تھا۔

بعد از اسلام فوجی نظام

عہدِ رسالت میں ہجرت مدینہ کے بعد جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو اُس دور میں مسلمانوں کو فوج کی کوئی باقاعدہ ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ اِسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں کیا تھا کیونکہ پوری قوم مکمل فوج کی حیثیت رکھتی تھی۔ جنگ کے لیے بوقتِ ضرورت عام اعلان کر دیا جاتا تھا اور لوگ جوق در جوق رضاکارانہ طور پر ریاست کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

عہدِ صدیقیؓ میں بھی فوج کا کوئی مستقل شعبہ نہیں تھا اور نہ ہی عسکری تعلیم و تربیت کا کوئی مربوط انتظام تھا۔ اس کے باوجود اس مختصر دور میں اہلِ عرب کے عسکری نظام میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور آگئی تھی۔ چونکہ یہ لوگ پیدائشی طور پر جنگجو تھے اور اُن کی لڑائیاں زیادہ تر باہمی ہوتی تھیں، لیکن عہدِ صدیقیؓ میں ان کا واسطہ دنیا کی مہذب، متمدن اور طاقتور سلطنتوں سے پڑا تو ایک طرف ایمانی جذبے کی وجہ سے ان کے اندر ہمت و جرأت پیدا ہو گئی اور دوسرا یہ کہ اُنھوں نے خود اپنی پیدائشی جنگجویانہ

---

1 حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر، وعلی ابراہیم حسن، ڈاکٹر، النُظمُ الاسلامیة، (قاہرۃ: مکتبة النهضة المصرية، س ن)، ص ۱۷۸-۱۷۹۔

2 شلبی، ابوزید، ڈاکٹر، تاریخ الحضارة الاسلامیة والفکر الاسلامی، (قاہرۃ: مکتبة وھبة، ۲۰۱۲ء/۱۴۳۳ھ)، ص ۱۳۵۔

صلاحیتوں کو منظم کیا۔ اِنھی دونوں خوبیوں کی وجہ سے اُنھوں نے فوج کی قلت اور سامانِ جنگ کی کمی کے باوجود دنیا کی بڑی بڑی اور نامور سلطنتوں کو ہر میدانِ جنگ میں شکست سے دوچار کیا۔

فوجی بھرتی کا طریقہ کار

عہدِ صدیقیؓ میں فوجی بھرتی کا طریقہ کار یہ تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گاہے بگاہے اپنے امرائے لشکر کو یہ پیغام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے لوگوں کو مشرکین کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ کریں، اُن کو اللہ کے دین کی نصرت و مدد کی طرف دعوت دیں اور جب وہ تیار ہو جائیں تو مشرکین کے خلاف جہاد کریں۔ علامہ ابن جریر طبری اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ کو حکم دیا کہ تم اپنی کارروائی پر واپس جاؤ اور اپنی قوم کے لوگوں کو جو اسلام پر ثابت قدم ہوں دین کی مدد کرنے کی دعوت دو اور اُن میں سے جو تندرست اور صاحبِ استطاعت ہوں اُن کو جہاد کے لیے تیار کرو اور ان کے ساتھ مل کر مشرکین سے جہاد کرو۔[3]

اسی طرح آپ نے مکہ کے عامل عتّاب بن اُسید رضی اللہ عنہ[4] کو بھی لکھا اور انھیں ساحلِ مکہ میں سے فوجی بھرتی کا حکم دیا۔ اس کے متعلق بھی علامہ طبری روایت کرتے ہیں:

> ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عتّابؓ بن اُسید کو لکھا کہ تم اہلِ مکہ اور اپنے ماتحت علاقے میں سے پانچ سو فوجیوں کو بھرتی کر کے اُن پر اپنے کسی بااعتماد شخص کو امیر مقرر کر دو۔ عتابؓ بن اسید نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور اس جماعت پر خالدؓ بن اُسید[5] کو امیر مقرر کر دیا۔[6]

جبری بھرتی کا حکم

جب کسی علاقے سے لوگ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تیار نہ ہوتے یا کسی حیل و حجت کے ذریعے جہاد پر جانے سے ٹال مٹول کرتے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے امرا کو پیغام بھیجتے کہ وہ اپنے علاقے میں اُن لوگوں کو اُن کی اہلیت کے مطابق جبری طور پر فوج میں بھرتی کریں تاکہ تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کیا جا سکے، دشمنوں کے خلاف ایک بڑی فوج تیار ہو سکے اور وقت پڑنے پر

---

3 طبری، ابو جعفر محمد بن جریر (م: ۳۱۰ھ)، تاریخ الامم والملوک، (القاہرہ: مطبعۃ الاستقامۃ، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء)، ۲:۵۳۵۔

4 حضورِ اکرم ﷺ نے ان کو مکہ کا عامل بنایا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اُنھی کو مکہ کی ولایت پر برقرار رکھا تھا۔ (أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۳:۵۴۹)۔

5 عتّابؓ بن اُسید کے بھائی تھے۔ (الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، ۲:۴۳۱)۔

6 طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲:۵۳۵۔

ان لوگوں کی جنگی خدمات حاصل کی جا سکیں۔ ان امراء میں سے طائف کے گورنر حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بھی یہ حکم بھیجا گیا۔ اس جبری بھرتی کے متعلق علامہ طبری رقمطراز ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عثمان بن العاص کو حکم بھیجا کہ تم اہلِ طائف میں سے جہاد کے لیے جبری بھرتی کرو۔ ہر محلے میں سے اس کی استطاعت کے مطابق افراد کو جمع کرو اور اُن پر اپنے ایک خاص اعتماد والے شخص کو امیر مقرر کرو۔ چنانچہ عثمانؓ بن ابی العاص نے ہر محلے میں سے بیس فوجیوں کو بھرتی کر کے ان پر اپنے بھائی [7] کو امیر مقرر کر دیا۔[8]

فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ ضعف و پیری کے باوجود فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ فرماتے رہتے تھے اور فوجیوں میں مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی پیدا ہوتی تو اُس کی اصلاح بھی فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی مہم کے لیے مقام جُرف [9] میں فوجیں جمع ہوئیں تو آپ معائنہ کے لیے تشریف لے گئے۔ بنو فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ آپ نے بھی ہر ایک کو مرحبا کہا۔ ان لوگوں نے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ! ہم لوگ گھوڑوں پر خوب چڑھتے ہیں، اس لیے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں، آپ بڑا جھنڈا ہمیں عطا کر دیجئے، آپ نے فرمایا: اللہ تمھاری ہمت و ارادہ میں برکت دے، لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا، کیونکہ وہ بنو عبس کے حصے میں آ چکا ہے۔ اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم بنو عبس سے اچھے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ کر کہا کہ چپ رہ اے احمق! ہر عبسی تجھ سے اچھا ہے۔ بنو عبس سے کچھ لوگ بولنا چاہتے تھے مگر آپ نے ڈانٹ کر سب کو خاموش کرا دیا۔[10]

مخصوص فوجی شعار

عرب میں جب کوئی فوج میدانِ جنگ میں اپنے مخالف سے لڑتی تھی تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے اور ہمت دلانے کے لیے مخصوص اور خفیہ الفاظ (Code Words) کا استعمال کرتی تھی۔ ان الفاظ کو 'شِعار' کہا جاتا ہے۔ ان مخصوص الفاظ کو استعمال کرنے کا مقصد صرف ایک دوسرے کو پہچاننا، جنگ پر ابھارنا اور جوش دلانا ہوتا ہے۔

---

7 عبدالرحمن بن ابی العاص۔ (الاصابة فی تمییز الصحابة، ۴: ۲۷۰)۔

8 طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۵۳۵۔

9 شام کی سرحد پر ایک چوکی کا نام ہے۔ (معجم البلدان، ۲: ۱۲۸)

10 الھندی، علاء الدین علی بن حسام الدین (م: ۹۷۵ھ)، کنزالعمّال فی سنن الاقوال والافعال، (حیدر آباد دکن: مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۴/۱۹۵۴ء)، ۵: ۳۶۱، حدیث: ۲۳۱۰۔

عہدِ رسالت میں جنگ بدر پہلا اسلامی معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کے ہر قبائل کے الگ الگ شعار تھے۔ مثلاً مہاجرین کا شعار: 'یا بنی عبدالرحمن' (اے بنی عبدالرحمن)، خزرج کا شعار: 'یا بنی عبداللہ' (اے بنی عبداللہ) اور قبیلہ اوس کا شعار: 'یا بنی عبیداللہ' (اے بنی عبیداللہ) تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تمام لشکر کا اجتماعی شعار: 'یا منصور اَمِت' (اے منصور مار ڈالو) تھا۔[11]

عہدِ صدیقیؓ میں لڑی جانیوالی جنگوں میں بھی مخصوص شعار کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو رومیوں کے خلاف جنگ کے لیے بھیجا تو ان کا شعار بھی 'یا منصور امِت' (اے منصور مار ڈالو) تھا۔[12] جنگ یمامہ میں حضرت خالدؓ بن ولید کا شعار: 'یا مُحمداہ، یا مُحمداہ' تھا۔[13] عراقی فتح کے دوران قبیلہ تنوخ کا شعار: 'یا آل عباداللہ' (اے اللہ کے بندوں کی آل) تھا۔[14]

اسی طرح جنگ یرموک میں مسلمانوں کے مختلف قبائل کے الگ الگ شعار تھے، مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کا شعار: 'امِت امِت' (مار ڈالو، مار ڈالو) تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید اور اُن کے ساتھیوں کا شعار: 'یا حزب اللہ' (اے اللہ کی جماعت) تھا۔ قبیلہ عبس کا شعار: 'یا لَعَبَس' (اے عبس والو) تھا۔ یمن کے مشترکہ لوگوں کا شعار: 'یا انصار اللہ' (اے اللہ کے مددگارو) تھا۔ قبیلہ حُمیر کا شعار: 'الفتح' (فتح) تھا اور بنی مراد کا شعار: 'نصر اللہ أنزل' (اے اللہ کی مدد آجا) تھا۔[15]

لشکر کی اقسام

عربوں میں جنگ کے وقت لشکر کی ترتیب دو قسم کی ہوتی تھی:

۱۔ طریقہ زحف

۲۔ طریقہ کروفر

زحف کے طریقہ کار کے تحت جنگجو فوج صف بندی کے بعد مخالف پر ٹوٹ پڑتی تھی اور گھمسان کی لڑائی لڑتی تھی۔ لڑائی کا

11 ابن الجوزی، عبدالرحمن بن علی (م:۵۹۷ھ)، المنتظم فی تاریخ الامم و الملوک، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)، ۳: ۱۰۶۔

12 ابنِ سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد (م:۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، (بیروت: دارِ صادر، س ن)، ۲: ۱۹۱۔

13 طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۵۱۳۔

14 سلیمان بن صالح، الادارة العسکریة فی دولة الاسلامیة نشاتِها و تطورها، (المکہ المکرمہ: جامعہ ام القریٰ معہد البحوث العلمیہ واحیاء التراث الاسلامی، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء)، ۱: ۱۴۹۔

15 واقدی، ابوعبداللہ محمد بن عمر (م:۲۰۷ھ)، فتوح الشام، (المصر: شرکۃ مکتبہ والمطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء)، ۱: ۱۴۴۔

یہ پہلا طریقہ دوسرے طریقے سے زیادہ قابل وثوق اور سخت ہوتا تھا۔ اس لیے کہ قتال زحف میں با قاعدہ صفیں نماز کی صورت میں قائم کی جاتی تھیں اور پھر پوری صف دشمن کی صف پر حملہ کرتی، اِس طرح دونوں فوجوں کو مکمل نبرد آزمائی کا موقع ملتا اور اُن کی قوت وسپہ گری کا امتحان بھی ہو جاتا۔

دوسری قسم کی جنگ 'کر وفر' میں جنگجو فوج اپنی پشت پر ایک صف قائم کر لیتی تھی اور جب کوئی بہادر حملہ آور ہو کر یا مخالف فوج میں سے کسی کو قتل کر کے واپس لوٹتا تو فوراً اس میں گھس جاتا تھا اور یہ صف ان کے لیے قلعہ جنگ کا کام دیتی تھی۔[16]

عہدِ صدیقیؓ میں حضرت خالدؓ بن ولید دشمنوں سے جنگ کے دوران دونوں طریقے آزماتے تھے۔ جنگِ یرموک کے موقع پر جب آپ نے دشمن کی دو لاکھ چالیس ہزار فوجی تعداد اور نظام وترتیب کو دیکھا تو اپنی فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا:

وَلَا تُقَاتِلُوا قَوْمًا عَلَى نِظَامٍ وَتَعْبِيَةٍ وَأَنْتُمْ مُتَسَانِدُونَ[17]

اور تم ایسی مرتب قوم (فوج) سے جنگ نہ کرو کہ تم الگ الگ ہو بلکہ ایک خاص نظام کے تحت فوج کو مرتب کرو۔

آپ نے مسلمانوں کے چھتیس دستے بنائے اور ہر دستے میں ایک ہزار مجاہد تھے۔ ہر دستے پر الگ الگ سپہ سالار مقرر کر کے اُن کو قلب، میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کر دیا۔ قلب کے دستوں کا امیر حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح، میمنہ کے دستوں کا امیر حضرت عمروؓ بن العاص اور میسرہ کے دستوں کا امیر حضرت زید بن ابی سفیانؓ کو مقرر فرمایا۔ پھر ہر ہر دستے پر الگ الگ امرا مقرر کیے جو شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے، مثلاً حضرت قعقاعؓ بن عمرو اور حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل وغیرہ۔[18]

لشکر کے مختلف حصے

لشکر کو عربی زبان میں 'خمیس' کہتے ہیں۔ یہ لفظ خُمس سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پانچ۔ اس کو خمیس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ پانچ حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ ان حصوں کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے:

قلب: میدانِ جنگ میں فوج کا سب سے اہم حصہ قلب ہوتا ہے۔ چونکہ قلب 'دِل' کو کہتے ہیں اور انسانی جسم کا سارا دارو مدار دِل پر ہوتا ہے، اسی لیے لشکر میں بھی سب سے زیادہ اہمیت قلب کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ حصہ فوج کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اس حصے میں امیرِ لشکر خود ہوتا ہے جو ہر طرف سے لڑتی ہوئی فوج کی نگرانی کرتا ہے اور اُن کی ہمت بڑھاتا ہے۔

میمنہ: فوج کے دائیں حصے کو میمنہ کہا جاتا ہے۔

---

16 ابنِ خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد (م: ۸۰۸ھ)، مقدمة ابن خلدون، (بیروت: دار الفکر، س ن)، ص ۲۱۴-۲۱۵۔

17 ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن محمد (م: ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، (بیروت: دارِ صادر، ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء)، ۲: ۴۱۱۔

18 طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۵۹۳-۵۹۴۔

میسرہ: فوج کے بائیں حصے کو میسرہ کہتے ہیں۔

مقدمۃ الجیش: فوج کے اگلے حصے کو مقدمۃ الجیش کہتے ہیں۔

ساقہ: فوج کے پچھلے حصے کو ساقہ کہتے ہیں۔

فوج کی اس ترتیب کو 'تعبیہ' کہا جاتا ہے۔[19]

علامہ ابنِ خلدون اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں:

وأول من أبطل الصف في الحروب وصار إلى التعبية كراديس مروان بن الحكم[20]

جس شخص نے جنگ میں صف بندی کے طریقہ کو موقوف کر کے الگ الگ دستے قائم کیے وہ مروان بن الحکم تھا۔

لیکن یہ ایک تاریخی غلطی ہے، کیونکہ اس کی ابتدا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں ہو چکی تھی۔ علامہ ابنِ اثیر جنگِ یرموک کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

وخرج خالد في تعبية لم تعبها العرب قبل ذلك [21]

اور خالد نے فوج کو اِس طریقے سے آراستہ کیا کہ اِس قسم کی آراستگی اس سے پہلے نہیں دیکھی گئی۔

علامہ ابنِ اثیر کی اس روایت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ فوج کو الگ الگ دستوں میں تقسیم کر کے ان کی آراستگی کا نظام عہدِ صدیقیؓ میں ہی عمل میں آچکا تھا۔ علامہ طبری نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ جنگ یرموک میں حضرت خالدؓ بن ولید نے فوج کے چھتیس یا چالیس دستے بنائے اور ہر دستے پر الگ الگ امیر کا تقرر کیا۔ علاوہ ازیں اُنھوں نے ہر دستے کے امیر کے نام کا الگ الگ تذکرہ بھی کیا ہے۔[22]

ان پانچ حصوں کے علاوہ فوج کے اور بھی حصے ہوتے تھے، جن کی تفصیل یہ ہے:

رائد: فوج کا وہ حصہ جو جانوروں کے لیے چارہ اور پانی تلاش کرتا ہے۔

طلیعہ: وہ گشتی فوج جو دشمن کی فوجوں کی کڑی نگرانی کرتی ہے۔

رکبان: فوج میں شتر سواروں کو رکبان کہتے ہیں۔

فرسان: فوج میں گھڑ سواروں کو فرسان کہتے ہیں۔

---

19 ابنِ خلدون، مقدمۃ ابنِ خلدون، ص ۲۱۵۔

20 ایضاً، ص ۲۱۶۔

21 ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ۲: ۴۱۱۔

22 طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۵۹۳-۵۹۴۔

رماۃ: تیر اندازوں کو رماۃ کہتے ہیں۔

راجل: پیدل فوج کو راجل کہتے ہیں۔

سفر مینا: یہ فوج کا وہ دستہ ہوتا ہے جو فوج کے آگے راستے صاف کرتا، سڑک بناتا اور ندی نالوں پر پل باندھتا ہے۔

خطیب اور قرا: اسلامی فوج کے ساتھ ولولہ انگیز خطبا اور قرآن مجید کی آیاتِ جہاد کی تلاوت کے لیے قرا بھی روانہ کیے جاتے تھے جو میدانِ جنگ میں تلاوتِ آیات سے اور اپنے خطبوں سے اسلام کے جانبازوں میں جوش اور ولولہ پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ عہدِ صدیقیؓ میں شام کی جنگوں میں حضرت ابوسفیانؓ بن حرب خطیب تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی خدمت حضرت مقدادؓ بن اسود کے سپرد تھی۔ (23)

علاوہ ازیں فوج کے اندر قاضی، مختلف افسران اور جاسوس بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ عہدِ صدیقیؓ میں یرموک کے موقع پر جب حضرت خالدؓ بن ولید نے مختلف دستوں کی تقسیم بندی کی تو انھوں نے فوج میں حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ کو قاضی، حضرت قُباث بن اُشیم کو گشتی فوج کا افسر اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو سامان کا افسر مقرر فرمایا تھا۔ (24)

فوجی اسلحہ

عربوں کی ریاست (State) اسلحہ اور سامانِ جنگ پر بہت روپیہ خرچ کرتی تھی۔ ان کی فوج سوار اور پیادہ دو حصوں میں منقسم ہوتی تھی۔ سوار زرہ، تلوار، نیزوں اور پیادہ زرہ، چھوٹے نیزوں اور تیر وکمان سے مسلح ہوتے تھے۔ عہدِ جاہلیت میں عربوں کے پاس یہی اسلحہ ہوتا تھا، جسے وہ جنگی معاملات، اپنی ناموس وعزت کے تحفظ اور معاشی ضروریات کے حصول کے لیے استعمال کرتے تھے، لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا جنگی ساز وسامان میں بھی جدّت آتی گئی، جس تفصیل یہ ہے:

تیر وکمان

عربوں کو تیر وکمان چلانے میں بڑی مہارت حاصل تھی، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کی بینائی بہت تیز تھی اور دوسرا یہ کہ وہ شکار وغیرہ میں تیر وکمان چلانے کا زیادہ استعمال کرتے تھے۔ ان کے نشانے کی یہ کیفیت تھی کہ اگر وہ ہرن کی صرف ایک آنکھ میں نشانہ لگانا چاہتے اور دوسری میں نہ چاہتے تو ان کا تیر ٹھیک نشانے پر لگتا تھا۔ (25)

---

23 ابن الجوزی، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، ۴: ۱۱۹۔

24 ابنِ کثیر، ابوالفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر (م: ۷۷۴ھ)، البدایۃ والنھایۃ، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، (القاہرہ: دارِ ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)، ۹: ۵۵۳۔

25 حسن ابراہیم، النُظمُ الاسلامیۃ، ص ۱۸۴۔

اسلام کے ابتدائی دور میں جب مسلمانوں اور رومیوں کا مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کی تیر اندازی میں مہارت کی بدولت رومیوں کو سخت نقصان پہنچا، کیونکہ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ اپنے لشکر میں موجود فوجیوں کو خصوصی طور پر تیر اندازی سکھاتے تھے، جب کہ رومی تیر اندازی میں مہارت نہ رکھتے تھے، اس وجہ سے اُن کا یہ جنگی پہلو کمزور تھا۔ مسلمانوں کے سپہ سالاروں نے اُن کی اِس کمزوری کو بھانپ لیا اور غالباً حضورِ اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر رومیوں کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ فرمایا تھا:

وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة، ألا وإن القوة الرمي، ثلاث مرات[26]

دشمن کے مقابلے کے لیے جتنی زیادہ ہو سکے طاقت تیار رکھو۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: جان لو! طاقت سے مراد تیر اندازی ہے۔

نیزے اور تلواریں

بحرین کے علاقے 'الخَطّ' کے نیزے بہت مشہور اور عمدہ ہوتے تھے، اسی طرح ہندوستان کی تلواریں بہت اچھی سمجھی جاتی تھیں اور فولادِ ہندی بھی بہت مشہور تھا۔ الرمح الخطی اور السیف الھندی اُس زمانے کا نہایت عمدہ اسلحہ سمجھا جاتا تھا۔[27]

منجنیق

موجودہ دور میں منجنیق کو توپ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ منجنیق کے استعمال کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ اس کے ذریعے دشمن پر چھوٹے چھوٹے پتھر برسائے جاتے تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے جب بنو ثقیف کا طائف کے قلعوں میں محاصرہ کیا تو بنو ثقیف نے قلعے کے اوپر سے تیروں کی بارش کر دی تو اس وقت آپ نے منجنیق کا استعمال کیا اور اسلام میں یہ منجنیق استعمال کرنے کا پہلا موقع تھا۔[28]

دبابہ

اُس زمانے کا ایک اہم ہتھیار دبابہ تھا۔ اس کی بناوٹ اس طرح کی ہوتی تھی کہ ایک بہت بڑا خول ہوتا تھا جس کے مختلف

---

26 ابنِ ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید (م: ۲۷۲ھ)، **السنن**، (بیروت: دار الفکر، س ن)، ۲: ۹۴۰، كتاب الجهاد، باب الرمى فى سبيل الله، حدیث: ۲۸۱۳۔

27 حموی، ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ (م: ۶۲۶ھ)، **معجم البلدان**، (بیروت: دار الفکر، س ن)، ۲: ۳۷۸۔

28 زرقانی، ابو عبداللہ محمد بن عبدالباقی (م: ۱۱۲۲ھ)، **شرح الزرقانی علی المواهب**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء)، باب غزوة الطائف، ۴: ۱۰۔

سائز ہوتے تھے۔ مختلف سائز کے حساب سے فوجی اس کے اندر بیٹھ جاتے اور اُس کو دھکیلتے ہوئے قلعہ کی دیوار تک لے جاتے، وہاں پہنچ کر آلات سے یا تو دیوار کو توڑ دیتے تھے یا یکبارگی سے دشمن پر حملہ کر دیتے تھے۔

غزوہ طائف میں دبابہ کا استعمال بھی کیا گیا، اُس کے اوپر گائے کی کھال لگی ہوئی تھی۔ قلعہ کے محصورین نے اُس کے اوپر لوہے کی گرم سلاخیں پھینکی جس سے وہ جل گیا تھا۔(29)

عہد صدیقیؓ کی کسی جنگ میں منجنیق یا دبابہ کے استعمال کا تذکرہ نہیں ملتا، لیکن یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اُس دور میں یہ تمام قسم کے آلاتِ حرب کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوں گے، کیونکہ یہ آلات جنگ کے لوازمات میں سے ہیں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ ہر وقت اپنے مجاہدین کو سامانِ حرب مہیا کرتے رہتے تھے۔

جنگی سامان کی فراہمی

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جزیرہ عرب کے اکثر و بیشتر قبائل نے زکوٰۃ دینا بند کر دی تھی جس کے نتیجے میں عہدِ صدیقیؓ کی مرکزی حکومت مالی لحاظ سے کمزور ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں خراج، جزیہ، غنیمت اور عُشر کی بھی اتنی آمدن نہیں تھی کہ اس سے جنگی ساز و سامان خریدا جا سکے۔ جنگی حالات میں جو لوگ فوج میں شامل ہونا چاہتے وہ اپنا اسلحہ ساتھ لاتے تھے اور جن کے پاس اسلحہ موجود نہ ہوتا تو چندہ اکٹھا کر کے ان کا انتظام کر دیا جاتا تھا، لیکن جب آپ کے دورِ حکومت میں حالات کچھ بہتر ہوئے اور ملکی آمدنی میں اضافہ ہوا تو اس کا ایک حصہ آلاتِ حرب و ضرب کے لیے وقف کر دیا گیا۔ اس کے متعلق ابن سعد لکھتے ہیں:

> قبیلہ بنی سُلیم اور قبیلہ بنی جُھینہ کے معدنوں سے جو آمدنی آتی تھی اس میں سے غریبوں میں تقسیم کرنے کے بعد جو مال بچ جاتا تھا ابو بکر صدیقؓ اُس سے اونٹ، گھوڑے اور ہتھیار خریدتے تھے۔(30)

مالِ غنیمت کے خمس کے پانچ حصوں میں سے قرآن مجید کے مطابق دو حصے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ذوی القربیٰ کے لیے مختص تھے۔ آپ کی وفات کے بعد اُن کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ نے کہا کہ یہ حصے آپ کے قرابت داروں میں تقسیم کیے جائیں، جب کہ دوسرے کا یہ کہنا تھا کہ یہ حصے رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ کو دیے جائیں۔ بعد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں نے مشاورت سے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ ان دونوں حصوں کو جنگی نقطہ نظر سے اسلحہ اور جانوروں

29 ابنِ ہشام، ابو محمد عبدالملک بن ہشام الحمیری (م: ۲۱۳ھ)، **سیرت ابن ہشام**، تحقیق: مصطفی السقا و ابراہیم الابیاری وغیرہم، (المصر: مکتبہ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء)، ۲: ۴۸۳۔

30 ابنِ سعد، **الطبقات الکبریٰ**، ۳: ۲۱۳۔

کی فراہمی پر صرف کیا جائے۔(31)

فوجی چراگاہیں

گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لیے سرکاری طور پر چراگاہیں مختص کی جاتی تھیں تاکہ ان کو آسانی سے گھاس و چارہ مہیا ہوتا رہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے عہد میں مدینہ کے قریب ایک جگہ جس کا نام نقیع تھا، جنگی گھوڑوں کے لیے چراگاہ کے طور پر مختص کی ہوئی تھی۔(32) آپ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دور شروع ہوا تو آپؓ نے بھی نقیع کی یہ چراگاہ جہاد میں استعمال ہونے والے گھوڑوں کے لیے مخصوص فرمائی۔ صاحب کنز العمال لکھتے ہیں:

أن أبا بكر الصديق لم يحم من الأرض إلا النقيع(33)

ابو بکر صدیقؓ نے نقیع کے علاوہ کسی اور زمین کو (حکومتی چراگاہ کے لیے) محفوظ علاقہ قرار نہیں دیا۔

فوجی لباس

عہدِ رسالت سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دورِ حکومت تک کسی باوثوق ذرائع سے یہ پتا نہیں چل سکا کہ اس زمانے میں فوج کی کوئی خاص وردی یا خاص لباس ہوتا تھا جس طرح کہ موجودہ دور میں فوج اور پولیس کے الگ الگ لباس ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں بھی فوج کے مخصوص لباس کا تذکرہ نہیں ملتا، البتہ میدانِ جنگ میں زرہ پہننا اُس زمانے کا عام رواج تھا۔ علامہ بلاذری نے اپنی کتاب میں اہل مصر کے فوجی لباس کے متعلق جن چیزوں کا تذکرہ کیا ہے اس میں جبہ، لمبی ٹوپی، عمامہ، پاجامہ اور موزہ وغیرہ شامل ہیں۔(34)

بہر حال یہ بات تو مسلم ہے کہ میدانِ جنگ میں دونوں طرف کی فوجیں کوئی مخصوص لباس پہنتی ہوں گی جس سے وہ اپنے جسم کی حفاظت، چاق و چوبند رہنے اور اہلِ لشکر کو پہچاننے کے لیے استعمال کرتی ہونگی۔

فوجیوں کی تنخواہیں

عہدِ نبوی کی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دورِ حکومت میں بھی فوجیوں کی نہ تو کوئی تنخواہ مقرر ہوئی اور نہ ہی رجسٹر بنا۔ آپ کے پہلے سال صرف اِس قدر اضافہ ہوا کہ مالِ غنیمت میں سے جو بچا وہ سب لوگوں پر دس دس روپے کے حساب سے

31　ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م: ۱۸۲ھ)، **کتاب الخراج**، (قاہرہ: المطبعۃ السلفیہ، ۱۳۸۲ھ)، ص ۲۱۔

32　ابو عبید، قاسم بن سلام (م: ۲۲۴ھ)، **کتاب الاموال**، (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء)، ص ۳۷۶۔

33　الہندی، **کنز العمال**، ۵: ۳۵۹، حدیث: ۲۳۰۶۔

34　بلاذری، احمد بن یحییٰ (م: ۲۷۹ھ)، **فتوح البلدان**، (بیروت: دار و مکتبۃ الھلال، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۱۲۔

تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی۔ فوج کی باقاعدہ تنخواہیں ۱۵ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں مقرر ہوئیں۔(35)

حاصل بحث

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دورِ حکومت حضورِ اکرم ﷺ کے عہد کی ایک کڑی تھا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نظامِ حکومت کو اُسی طرح برقرار رکھا جس طرح وہ عہدِ نبوی میں موجود تھا۔ آپ نے فوجی نظام میں کوئی خاص ردّوبدل نہیں کیا اور نہ ہی کوئی جدت لائے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ خلیفہ بنتے ہی آپ کو بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، مثلاً فتنہ اِرتداد، مانعین زکوۃ اور مدعیان نبوت وغیرہ۔ اور دوسری وجہ یہ کہ آپ کی حکومت کا دورانیہ صرف دو سال اور تین ماہ تک محدود رہا۔ اس کے باوجود آپ نے حکومت کو ڈگمگانے نہیں دیا۔ آپ نے مرتدین، مانعین زکوۃ اور مدعیانِ نبوت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کی سرکوبی کے لیے مختلف علاقوں میں جنگجو سپہ سالاروں کے تحت گیارہ لشکر بھیجے جو کامیابی کے ساتھ واپس لوٹے۔ علاوہ ازیں آپ کے دورِ حکومت میں عراق اور شام وغیرہ کی فتوحات بھی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ دیا۔ اگر آپ کی حکومت کچھ عرصہ مزید باقی رہتی تو ممکن ہے کہ اُمورِ سلطنت میں وہ اصلاحات کرتے کہ آنے والی نسلیں اُن کی مثال پیش کرتیں۔

○○○○○

35 شبلی نعمانی، **الفاروق**، (لاہور: مشتاق بک کارنر، س ن)، ص ۲۴۶-۲۴۷۔